امرود بادشاہ

مائل خیرآبادی

کہانیوں کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امرود بادشاہ

"ہاں بھئی! آج کون سی کہانی ہوگی؟ امّی جان نے آتے ہی ہم سب سے پوچھا۔ ستّو شاید سوچے ہوئے بیٹھا تھا۔ بولا آج میں وہ کہانی سناؤں گا جس میں ہے کہ ایک شخص نے سورج کو نگل لیا تھا۔"

"ہش! ایسی جھوٹی کہانی!۔" امّی جان نے کہا۔ ٹنّی بولا اچھا تو مُلتّانہ ڈاکو کی کہانی سُناؤں۔" ساتھ ہی رفّو باجی کہنے لگیں۔ "نہیں الہ دین کا چراغ والی"۔۔۔۔۔۔ اور پھر سب اپنی اپنی پسند کی کہانی کا نام لینے لگے۔ سعیدہ بی ابھی تک چُپ تھیں۔ وہ چمک کر بولیں "امی جان!"۔ امرود بادشاہ کی کہانی سُناؤں۔"

امرود بادشاہ کا نام ہم نے کہیں نہیں سُنا تھا۔ سعیدہ سے پوچھا گیا۔ " بھئی، یہ امرود بادشاہ کون تھا ؟ "۔ امّی جان نے سعیدہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اچھا آج سعیدہ بی کہانی کہیں۔" اجازت پاکر سعیدہ بی امرود بادشاہ کی کہانی اس طرح کہنے لگیں:

دیکھئے نا امّی جان ! وہ جو ایک بادشاہ تھا نا ! چار پانچ ہزار برس پہلے۔

جی ہاں ! چار پانچ ہزار برس ہوئے۔ اس زمانے میں اس کی ٹکّر کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔ لاؤ لشکر، فوج، سپاہی پیادے سب اس کے پاس تھے۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ وہ بادشاہ بڑا گھمنڈی تھا۔ جی ہاں ! ایسا گھمنڈی، امی جان ایسا گھمنڈی کہ بس کیا کہوں۔ توبہ توبہ ! وہ اپنے کو خدا کہتا تھا۔ جی ہاں ! خدا ......"

سعیدہ بی ذرا سانس لینے کو رُکیں تو ہم نے پوچھا۔ اسی کا نام امرود بادشاہ تھا ؟۔

" ارے ہاں ! میں اس کا نام بتانا بھول ہی گئی۔ جی ہاں، اسی کا نام تھا امرود بادشاہ !"

" کیا وہ امرود بہت کھاتا تھا ؟ " ـــ ہم سب نے پھر پوچھا۔

" نہیں، یہ اس کا نام ہی تھا۔"

"اچھا پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ ڈر کے مارے لوگوں نے اس کو خدا مان لیا۔ لیکن اللہ میاں کے ایک بہت بڑے نبی اس زمانے میں تھے۔ کیا نام تھا ان کا؟ . . . . . . سعیدہ بی سوچنے لگیں۔ پھر خود ہی پوچھنے لگیں ۔ امی جان! اسمٰعیل بھائی کے ابا جان کا نام کیا ہے؟۔

"ابراہیمؑ!۔"

"جی ہاں جی ہاں ۔ ان کا نام تھا۔ ابراہیم ۔ حضرت ابراہیمؑ امی جان میں نے ٹھیک سے نام لیا۔"

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امرود بادشاہ کو خدا ماننے سے انکار کر دیا ۔ اچھا تو اللہ کے نبی نے اس کو خدا نہ مانا تو وہ بہت خفا ہوا ۔ اپنے دربار میں طلب کیا۔ سپاہی حضرت ابراہیمؑ کو پکڑ لے گئے۔ توبہ توبہ ۔ اس کا گھمنڈ تو دیکھئے وہ اللہ کے نبی سے جھگڑنے لگا ۔ پوچھا۔

"تمہارا خدا کیا کرتا ہے۔"

"میرا خدا مارتا اور جلاتا ہے۔" حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔

"یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں اور یہ کہہ کر امرود بادشاہ نے جیل سے ۲ دو قیدی بلائے ۔ ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا۔ دیکھو ہے نا میرے بس میں موت اور زندگی ۔ جس کو چاہوں مار ڈالوں، جس کو چاہوں زندہ رکھوں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سُنا تو بولے۔" میرا خدا پورب سے سورج نکالتا ہے، اور پچھم میں لے جاتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو پچھم سے سورج نکال دے اور پورب کی طرف لے جا۔

یہ سُنا تو امرود بادشاہ بھُوت بن کر رہ گیا۔

" بھُوت!۔" ہم سب ہنسنے لگے ۔" بھُوت کیسے بن گیا؟"

اب سعیدہ بی بھی چُپ۔ وہ جواب نہ دے سکیں تو امّی جان نے بتایا کہ بی سعیدہ نے کہانی تو سچّی اور مزے دار سُنائی مگر اُن کو بادشاہ کا نام یاد نہ رہا۔

دراصل وہ بادشاہ تھا نمرود!۔

"جی ہاں جی ہاں۔" سعیدہ بی بولیں۔" جی ہاں نمرود بادشاہ" اس کا نام نمرود بادشاہ ہی تھا۔

" اور سنو سعیدہ بی؟ تم نے جو کہا کہ وہ بھوت بن کر رہ گیا" تو وہ لفظ بھُوت نہیں ہے۔ تم نے جس سے یہ کہانی سُنی اس نے کہا ہوگا کہ نمرود بادشاہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ تم مبہوت کو بھُوت سمجھیں"

" امّی جان! مبہوت کے معنی کیا ہیں ؟" ہم سب نے پوچھا۔

" مبہوت کے معنی ہیں ہکّا بکّا ہو کر رہ جانا۔ اس کا منہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کی سمجھ بے کار سی ہو گئی۔ سمجھے، تم سب۔

" جی ہاں سمجھے ہم سب ۔ سعیدہ بی نے کہانی تو پرانی سُنائی لیکن واہ ری اُن کی بھُول ۔ مزہ دے گئی ان کی بھول ۔ اہا کیا مزے دار ہے امرود بادشاہ کی کہانی ۔ واہ واہ ۔

سعیدہ بی خوش ہورہی تھیں ۔ اس کے بعد ہم جا جاکر اپنے اپنے بستروں میں گھس گئے ۔

ماں ”بیٹے سعید ! کہاں چلے گئے تھے تم ۔ بڑی دیر میں آئے ؟ ۔“

سعید : ”امّی جان ! میں بکرا لینے گیا تھا۔“

ماں : ”بکرا کیسا ؟“۔

سعید : ”قربانی کا ۔“

ماں :”قربانی کا کیا مطلب ؟“

سعید : ”امّی جان ! نماز کے بعد ابو میاں نے بتایا تھا کہ اب قربانی ہو گی ۔“

ماں : ”وہ تو ہوتی ہی ہے ۔“

سعید : میں نے سوچا، میں بھی کیا کروں ۔“

ماں : ”تو کیا تم بکرا خریدنے گئے تھے ؟“

سعید : جی ! ۔“

ماں : ”تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی ؟“

سعید : پیسے تھے تو میرے پاس !“۔

ماں: ”کتنے پیسے تھے ؟“۔

سعید : ”بیس ۔“

ماں : ”بیس پیسے کا بکرا لینے گئے تھے ؟“۔

سعید : ”جی اماں جان ! ۔“

ماں : ”تو پھر ملا بکرا ؟“۔

سعید : ”نہیں ملا امی جان !“

ماں : ”اور تم گئے کہاں تھے خریدنے ؟“

سعید : ”امی جان ! دیکھئے تو، وہ جو چوراہہ ہے نا! اِدھر سے اُدھر جاؤ ۔ پھر ادھر سے مڑ جاؤ، پھر نیم کا پیڑ ہے نا ! آگے نل لگا ہے نل کے پاس بہت سی بکریاں بِک رہی ہیں ۔“

ماں : ”تو پھر تم نے بکرا خریدا کیوں نہیں ؟“

سعید : ”میں نے اس سے کہا، وہ جو ہے نا بکریاں بیچنے والا ۔ یہ بیس پیسے لو اور ایک بکرا دے دو ۔“

ماں : ”اس نے کیا جواب دیا ؟“

سعید : ”امّی جان ! اس نے مجھے ڈانٹ دیا ، چلو بھاگو یہاں سے۔

اس نے بتایا ایک ایک بکرا سو سو روپے سے زیادہ کا ہے۔"

ماں: "پھر تم نے کیا کیا؟"

سعید: "میں نے اس سے کہا۔" بیس پیسے میں بچّہ ہی دیدے۔"

ماں: "بچّہ لے کر تم کیا کرتے؟"

سعیؔد: "قربانی نہیں ہوتی۔"

ماں: "بچے کی قربانی نہیں ہوتی۔"

سعیؔد: "اچھا . . . . . اسی لئے اس نے نہیں دیا۔"

ماں: "نہیں دیا تو پھر تم نے کیا کیا؟"

سعیؔد: "پھر میں وہاں سے چلا آیا۔"

ماں: "اور پھر قربانی کی تم نے؟۔"

سعیؔد: "پھر میں قربانی کاہے کی کرتا امّی!۔"

ماں: "وہ بیس پیسے کیا کیئے؟"

سعید: "امی جان! دیکھئے تو، میں وہاں سے چلا آرہا تھا راستے میں رمضانی ملا۔ رمضانی وہ جو ہے نا! شبراتی کا پوتا وہ مکتب میں قاعدہ پڑھتا ہے۔ بہت رو رہا تھا کھڑا ہوا امی جان! وہ بہت ہی رو رہا تھا۔ اور بس وہیں کھڑا کا کھڑا۔"

ماں: "آخر کیوں رو رہا تھا وہ؟"

سعید: "اس کی امی نے اسے پیسے دیئے تھے کہ نمک لے آئے،

پیسے کہیں گر گئے تھے وہ ڈر کے مارے رو رہا تھا۔ نمک لے کر نہ جائے گا تو پٹائی ہوگی۔"

ماں: "پھر کیا ہوا؟"

سعید: "امی جان! آپ غصے تو نہ ہوں گی، سچ سچ بتاؤں۔"

ماں: "ہاں بتاؤ!۔"

سعید: "امی جان! میں نے اپنے بیس پیسے اسے دے دیا اور گھر چلا آیا۔"

ماں! "شاباش بیٹے! ماشاءاللہ، جزاک اللہ۔ تم نے تو بہت بڑی قربانی کی بیٹے۔"

سعید: "میں نے قربانی کیسے کی۔ بکرا مجھے کہاں ملا۔"

ماں: "بیٹے تم نے اپنا من مار کے دوسرے کو پیسے دے دیئے۔ یہی تو سب سے بڑی قربانی ہے۔"

سعید: اچھا امی! تو مجھے ثواب ملے گا۔"

ماں: "ضرور ضرور۔ ضرور ملے گا ثواب۔ اللہ تجھ کو اس سے زیادہ قربانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔"

سعید: "ارے واہ! اللہ میاں کیسے اچھے ہیں، ذرا ذرا بات پر اِتنا ثواب دیتے ہیں۔"

ہم سب نے مغرب کی نماز پڑھ لی ۔ سدّو اب بھی نہیں آیا۔
پھر کھانا بھی کھالیا۔ سدّو اب بھی نہیں آیا۔ اب تو امّی جان
سوچ میں پڑ گئیں ۔ ہم سب بھی اس کا راستہ دیکھ رہے تھے۔
ہمیں کہانی سننے کی دیر ہو رہی تھی ۔ اور بھئی، بات یہ ہے کہ
سدّو نہیں ہوتا تو ہمیں کہانی سننے میں کچھ زیادہ مزہ بھی نہ آتا۔
وہ بیچ بیچ میں ایسی کوڑی لاتا کہ واہ ہی واہ ۔

سدّو کا راستہ دیکھنے میں آدھ گھنٹہ بیت گیا۔ وہ آدھ گھنٹہ
کے بعد آیا تو اس سے پہلے کہ امّی جان اُس سے پوچھتیں کہ اتنی دیر
کہاں لگائی، وہ آپ ہی کہنے لگا۔

" امی جان ! وہ جو کل آپ نے کہانی سُنائی تھی نا! وہی کیا جو

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیارے صحابہؓ کو سُنائی تھی۔"

"ہاں ہاں، وہ جو فرشتہ ایک اندھے گنجے اور کوڑھی کے پاس آیا تھا، وہی تو!۔" امی جان نے کہا۔

"جی ہاں، امّی جان!——" سدّو کہنے لگا۔ "تو وہ بالکل ٹھیک ہے، ضرور آیا ہوگا۔"

"تو کیا کل یقین نہیں آیا تھا۔" سدّو سے پوچھا گیا۔ اُس نے بتایا "پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر یقین کیوں نہ آتا لیکن آج تو جیسے میں دیکھ آیا۔"

"ارے واہ!۔" ہم سب کی زبان سے نکلا اور پھر سب نے پوچھا "ارے بھئی، کیا دیکھ آئے، بیان تو کرو۔" سدّو بیان کرنے لگا:

"امّی جان! دیکھئے تو، آپ دیکھ تو رہی ہیں، سنئے تو......"

"ہی ہی ہی ہی۔" ہم سب ہنسنے لگے۔ بس یہی تو مزہ آتا ہے۔ سدّو کی بات میں۔۔ اسی طرح تو ہنساتا ہے۔ وہ کہے جارہا تھا۔

"امّی جان! آپ نے مجھے فیکٹری سے کپڑے لانے کے لئے بھیجا۔ وہاں مجھے دیر ہوگئی۔ کپڑے تیار نہیں تھے۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تو میں جامع مسجد چلا گیا۔ نماز پڑھ کر نکلا تو وہ جو ہیں نا معین الدّین میاں!"

"کون سے معین الدین میاں۔ وہ جو فوج میں کپتان تھے ۔؟"

"جی ہاں، وہی امی جان! اپنے خوب صورت سے ٹھیلے پر چورن کی شیشیاں سجائے ہوئے کھڑے تھے اور اپنی آپ بیتی سُنا رہے تھے۔

"آپ بیتی!" ہم سب چونکے ۔" آہا کہانی ــــــ سدّو میاں ۔ جلدی سُناؤ بھئی ۔" ہم سب کہنے لگے ۔ سدّو نے کہنا شروع کیا:۔

" تو معین الدین میاں اپنی یہ آپ بیتی سُنا رہے تھے کہ وہ کپتان سے چورن والے کیسے بنے ؟"

" ہاں ، تو کیسے بنے ؟" امی جان نے پوچھا۔

" امی جان ! وہ کہہ رہے تھے کہ جب وہ پلٹن کے ساتھ سرحد کی لڑائی میں گئے تو وہاں انھوں نے ایک اور بیاہ کر لیا۔" سدّو یہ کہہ کر امی جان سے پوچھنے لگا کہ سرکار لوگوں کو دو بیاہ نہیں کرنے دیتی ۔

امی جان نے بتایا کہ سب لوگوں کو تو نہیں، جو سرکاری نوکر ہوتے ہیں ان کو دوسری بیوی نہیں کرنے دیتی ۔ اگر کوئی ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری بیوی کرے تو اسے برطرف کر دیا جاتا ہے۔

برطرف ؟ کیا معنی امّی !" صفو بی نے پوچھا ۔ امّی جان نے بتایا

کہ نوکری سے الگ کر دیا جاتا ہے۔

"اچھا تو سنیئے، امی جان!" سدّو پھر کہنے لگا۔ "معین الدین میاں کو نوکری سے الگ کر دیا گیا۔ وہ یہاں یعنی اپنے گھر چلے آئے۔ مالدار گھرانے کے تھے۔ باپ نے بہت پیسہ چھوڑا تھا۔ سرحدی بیوی کو یہیں لاکر رکھا۔"

"اور پہلی بیوی نے کچھ نہیں کہا؟" امینہ باجی نے سوال کیا۔

"باجی! سنیئے تو۔ معین الدین میاں کہہ رہے تھے۔ پہلے تو پہلی بیوی کو بُرا لگا۔ اب تو دونوں بڑی محبّت سے رہ رہی ہیں۔ بیچ میں نہ بولو نہیں تو میں بھول جاؤں گا۔ اچھا ہاں، تو اب معین الدین میاں، باپ کی جائداد بیچ بیچ کر کھانے لگے۔ یار دوست گھیرے رہتے۔ خوب گل چھرّے اڑاتے۔ یعنی مزے کرتے۔ کبھی یاروں کی ٹولی دلّی کی سیر کو جا رہی ہے۔ کبھی پکنک کو جا رہے ہیں، کبھی کہیں، کبھی کہیں۔

ایک بار وہ اجمیر گئے۔ اجمیر میں ایک دن ایک فقیر کو دیکھا۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ اس فقیر نے ان کو دیکھا تو ہنسا۔ ہی ہی ہی ہی۔ باپ کی دولت اُڑانے آ گئے۔

معین الدین میاں کہہ رہے تھے کہ نہ میں نے اسے کبھی دیکھا نہ وہ مجھے جانتا تھا۔ نہ جانے کیسے میرا حال جان گیا۔

تو معین الدین میاں بہت گھبرائے۔ انھوں نے جیب سے ایک

چونّی نکالی۔ اس فقیر کو دینے لگے۔ فقیر بولا "اپنی کمائی کا دے۔"
یہ سمجھے زیادہ لینا چاہتا ہے تو ایک روپیہ دینے لگے۔
اس نے پھر کہا "اپنی کمائی کا دے۔" مطلب یہ ہے کہ اس نے
روپیہ نہیں لیا۔

معین الدین میاں اپنی راہ چلے گئے۔ دوسرے دن کہیں
جا رہے تھے کہ ایک طرف سے "ہی ہی ہی ہی" کی آواز آئی۔
دیکھا تو وہی فقیر کہہ رہا تھا۔" باپ کی دولت اڑا نے چلے آئے،
خود کماتے تو پتہ چلتا۔" یہ کہہ کر ہنستا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

تیسرے دن پھر اسی طرح ملا۔ اور اس نے اسی طرح
ہنسی اڑائی۔ اب تو معین الدین ایسے گھبرائے کہ وہاں سے
بھاگنے کی سوچنے لگے۔ چوتھے دن اجمیر سے چلے تو راستے میں
وہی فقیر پھر ملا۔ اس وقت وہ کاغذ کا ایک پُرزہ لئے کھڑا تھا۔
اس نے وہ پُرزہ ان کی طرف بڑھا دیا۔ معین الدین میاں نے
لے لیا۔ اور رکشا والے سے کہا، چلو بھئی جلدی یہاں سے
نکل جاؤ۔

اسٹیشن پہنچے۔ ٹکٹ لیا۔ ریل پر بیٹھے۔ ذرا اطمینان ہوا
تو جیب سے فقیر کا پُرزہ نکالا۔ پڑھا تو اس میں چورن کا نسخہ
لکھا ہوا تھا۔ انھوں نے ہنس کر پھر جیب میں رکھ لیا۔
گھر آئے۔ یہاں پھر یار دوستوں نے گھیر لیا۔ اب سوچئے تو،

وہ کہہ رہے تھے۔ دو بیویوں کا خرچ، یار دوستوں کا ساتھ، گھر میں چاہے قارون کا خزانہ ہوتا وہ بھی ختم ہو جاتا۔ بڑی بیوی نے ایک دن کہا کہ ایسے کیسے بسر ہو گی۔ کچھ کرو۔

معین الدین میاں نے کبھی کچھ کیا نہیں تھا۔ کرتے کیا۔ اب سنیئے۔ ان ہی دنوں میں ایک بار بمبئی جانا ہوا۔ اپنے دوست کے گھر جا کر ٹھہرے۔ اس دن دوست کی لڑکی کے پیٹ میں درد اٹھا۔ بے چارے بہت پریشان تھے۔ حکیموں، ڈاکٹروں، ویدوں کا علاج ہو رہا تھا۔ بہت روپیہ اُٹھ چکا تھا مگر درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بچّی تڑپ رہی تھی۔

بچّی اور پھر دوست کی۔ معین الدین میاں کو بڑا ترس آیا۔ اب انھیں فقیر کا نسخہ یاد آیا۔ انھوں نے جیب سے نسخہ نکالا۔ دوست کو دیا۔ بولے ذرا اسے آزما کر دیکھئے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ دوست نے نوکر کو بھیجا کہ جا کر بازار سے یہ چیزیں لے آئے۔ جو اس میں لکھی ہیں۔ نوکر جا کر لایا۔ یہی چھوٹی چھوٹی کچھ چیزیں تھیں ہڑ، بہیڑہ، آملہ اور ایسی ہی دو تین چیزیں اور تھیں۔ انھیں ہاون دستے میں کوٹا گیا۔ چھانا گیا اور ایک تولہ کے قریب بچی کو پانی کے ساتھ نگلوا دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے دو دست آئے۔ پیٹ کا درد کم ہو گیا اور لڑکی سو گئی۔

دوسرے دن صبح کو پیسہ بھر چورن اور دیا گیا۔ اس سے

پھر ہلکا سا دست آیا اور اب درد کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ دوست بہت خوش ہوئے، پوچھا "ارے بھئی، یہ نسخہ کہاں سے ملا۔ معین الدّین میاں نے سارا حال بتایا تو دوست نے کہا۔ "یار وہ کوئی فرشتہ ہوگا۔ اچھا بھائی۔ یہ پچاس روپئے لو اور صدقہ کر دو۔ پھر خود ہی کہنے لگے، یار ایسا کرو کہ پچاس روپے کی یہ چیزیں لے جاؤ اور ان کا چورن بنا کر غریبوں میں بانٹ دو۔

اور پھر یہ کیا کہ نوکر سے پچاس روپے کی ساری چیزیں منگوا کر کٹوائیں۔ چورن بنایا گیا۔ چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں بھر کر ایک ہینڈ بیگ میں بھر دیا اور معین الدین میاں کو دیا کہ جا کر اپنے یہاں بانٹ دیں وہ یہ سب یہاں لے آئے اور لوگوں کو بانٹنے لگے۔ جس کو دیا۔ اس کو فائدہ ہوا۔ اب تو لوگ رات دن ان کو گھیرے رہتے۔

دونوں بیویوں کو بھی سارا حال معلوم ہوا تو بڑی بیوی نے چھوٹی سے مشورہ کیا۔ نسخہ معین الدین میاں سے مانگ لیا۔ سامان منگایا، نوکر سے چورن بنوایا۔ شیشیوں میں بھر کر بازار کی دوکانوں پر رکھوا دیا۔ اب ہونے لگی مانگ۔ ایک شیشی ایک ایک روپیہ کی بکنے لگی۔ بڑی بیوی نے میاں سے کہا۔ اتنا تو کرو کہ جن دوکانوں پر رکھا گیا ہے ان سے حساب کر آؤ۔

دھیرے دھیرے معین الدّین میاں حساب کرنے جانے لگے اور ان کا کام چل پڑا ——— سدّو نے کہانی ختم کر دی۔ ہم سب کو بالکل

یقین ہوگیا کہ وہ فقیر فرشتہ ہی تھا۔ اب ہم کو اور زیادہ پیارے نبیؐ کی کہانی پر یقین ہوگیا۔ ہم سب نے کہا کہ جو پیسے گھر سے ملا کریں گے ان میں سے فقیروں کو کچھ نہ کچھ خیرات کر دیں گے ـــــ آج دیر پہلے ہی ہو چکی تھی اب عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم سب نے نماز پڑھی اور اپنی اپنی جگہ جا کر لیٹ گئے اور سو گئے۔

ایک فرشتہ۔ ایک شیطان

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ ایک دن اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ "میں چاہتا ہوں، فرشتے کو دیکھوں۔ میں نے سُنا ہے فرشتہ بڑا خوب صورت ہوتا ہے۔ اس کی صورت بھولی بھالی ہوتی ہے۔ وہ بری باتیں نہیں سوچتا۔ اسے کسی بات کا لالچ نہیں ہوتا۔ وہی کام کرتا ہے۔ جن سے اللہ خوش ہوتا ہے اور وہ بڑا تندرست ہوتا ہے۔ تو اے وزیر! تم مجھے فرشتہ دکھاؤ۔"

وزیر نے عرض کیا حضور! فرشتہ تو نورانی مخلوق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے نور سے پیدا کیا ہے۔ نورانی چیزوں کو ہم انسان نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ کے نبیوں کے سوا کسی اور نے نہ تو فرشتوں کو دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔"

بادشاہ نے وزیر کی بات سُنی ان سُنی کر دی اور پھر کہا ”جس طرح بھی ہو تم ایک فرشتے کو میرے سامنے لاؤ۔ میں اسے دیکھوں۔ اگر تم میرا حکم نہ مانو گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔ تم کو بس ایک مہینے کی مہلت ہے۔“

اس دھمکی سے وزیر بہت گھبرایا۔ وہ فرشتے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ چاروں طرف دیکھتا پھرتا۔ وہ اللہ سے دعا کرتا کہ کہیں فرشتہ مل جائے۔ لیکن اسے کہیں فرشتہ نہ ملا۔ اس طرح بیس پچیس دن گزر گئے۔ اب تو وزیر کو اپنی جان کا ڈر ہو گیا۔ اسے موت قریب دکھائی دینے لگی۔ پھر بھی وہ فرشتے کی تلاش میں ادھر اُدھر پھر رہا تھا۔

ایک دن وہ ایک پہاڑ کے پاس پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ پہاڑ کی ایک چٹان کے سائے میں ایک بزرگ بیٹھے ہیں۔ اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ وزیر ان بزرگ کے پاس پہنچا، ان کو سلام کیا اور پاس بیٹھ گیا۔ ان بزرگ نے مہمان سمجھ کر خاطر تواضع کی۔ ٹھنڈا میٹھا شربت پلایا۔ پھر حال پوچھا تو وزیر نے بادشاہ کی بات بتائی۔ ان بزرگ نے وزیر کو تسلی دی اور کہا، گھبراؤ نہیں۔ میرے ساتھ آؤ میں تمہارے ساتھ فرشتے کو کر دوں۔

یہ کہہ کر وہ بزرگ اپنی جگہ سے اُٹھے۔ وزیر کو ساتھ لیا، پہاڑ کے پاس ایک بستی تھی، اس بستی میں گئے۔ ایک جگہ کچھ لڑکے کھیل رہے

تھے ۔ ان لڑکوں سے الگ ایک لڑکا بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ یہ لڑکا بہت خوب صورت تھا۔ بھولا بھالا تھا۔ بزرگ وزیر کو لے کر اس لڑکے کے پاس پہنچے ۔ سلام کیا ۔ لڑکے نے مسکرا کر "وعلیکم السلام" کہا اور ادب سے کھڑا ہو گیا ۔ مسکرا کر پوچھا:

"آپ حضرات کیسے تشریف لائے ؟"

بزرگ نے کہا کہ یہ صاحب بادشاہ کے وزیر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو بادشاہ کے دربار میں لے جائیں۔ بادشاہ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ آپ کو انعام دے گا۔"

لڑکے نے بڑے دھیان سے بزرگ کی بات سُنی ۔ پھر بولا :۔ "حضرت! مجھے بادشاہ سے کیا کام ۔ میں اس گاؤں کا رہنے والا ۔ یہ سارے لڑکے میرے ساتھی ہیں۔ میں ان کے ساتھ بہت خوش رہتا ہوں ۔ اور جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے ان کی خدمت کرتا ہوں ۔ میرے لئے سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے کاموں سے خوش ہو جائے اور مجھے جنّت عطا فرمائے ۔"

ان بزرگ نے وزیر کی طرف دیکھا ۔ پوچھا "یہ لڑکا تمہاری نظر میں کیسا ہے ؟" وزیر نے کہا "یہ تو بڑا ہی خوب صورت بھولا بھالا اور پیارا بچہ ہے اسے ذرا بھی لالچ نہیں معلوم نہیں اس کی عادتیں کیسی ہیں ؟"

بزرگ اور وزیر میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کھیلنے والے لڑکے

کسی بات پر لڑ پڑے۔ ان کو لڑتا دیکھ کر یہ خوب صورت اور بھولا بھالا لڑکا ان کے پاس گیا اور ان سے کہا "دوستو! کھیل میں لڑنا بُری بات ہے۔ کھیل تو اس کے لئے کھیلا جاتا ہے کہ دل خوش ہو، تم ہو کہ اپنا دل دُکھا رہے ہو۔ اور دیکھو بھائی! کھیل میں کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔"

وزیر الگ کھڑا رہا اس لڑکے کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے دیکھا کہ اس نے سب لڑکوں میں میل کرا دیا۔ بزرگ نے وزیر سے کہا۔" کہو، اس لڑکے کے بارے میں اب کیا رائے ہے۔؟" وزیر بولا "یہ تو مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے فرشتہ ہی ہو۔"

یہاں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ لڑکا پھر ان کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ بزرگ نے اس سے کہا۔" پیارے بیٹے! اگر میں آپ کو ایسی بات بتاؤں جس سے خدا خوش ہو جائے تو کیا آپ میری بات مانیں گے۔

"ضرور ضرور میں مانوں گا۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"تو پھر میری رائے ہے کہ آپ وزیر کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں جائیں اور اپنی باتوں سے بادشاہ کے دل کو خوش کریں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو گا۔

بزرگ نے اس طرح کہا تو لڑکا وزیر کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا وزیر نے ان بزرگ کا احسان مانا اور لڑکے کو ساتھ لے کر بادشاہ کے

دربار میں پہنچا۔ لڑکے کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ لڑکے نے ادب سے سلام کیا۔

بادشاہ نے نہایت خوب صورت اور بھولا بھالا تندرست لڑکا سامنے کھڑا دیکھا تو وزیر سے پوچھا " یہ کون ہے؟" وزیر نے جواب دیا"حضور! یہی وہ ہے جسے آپ دیکھنا چاہتے تھے !"

"یعنی فرشتہ ۔" بادشاہ کی زبان سے نکلا اور اس نے حکم دیا کہ لڑکے کے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیئے جائیں۔

اسی وقت سونا چاندی ڈھیر کر دیا گیا۔ بادشاہ نے لڑکے سے کہا " لو یہ سب تمہارا ہے۔"

لڑکے نے وزیر کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ کہ یہ سب اللہ کے غریب بندوں میں تقسیم کروا دیئے۔

"ارے! اسے ذرا لالچ نہیں" بادشاہ کی زبان سے نکلا۔ پھر اس نے وزیر سے لڑکے بارے میں پوچھا تو وزیر نے بتایا۔ "حضور! میں نے اس میں کوئی بری عادت نہیں دیکھی۔ میں اسے فرشتہ ہی سمجھتا ہوں۔ بادشاہ کے دربار میں جتنے لوگ تھے انھوں نے بھی کہا کہ یہ تو فرشتہ ہی ہے۔ بادشاہ نے کہا " ہاں! بیشک یہ فرشتہ ہی ہے۔"

یہ کہہ کر اس لڑکے کو رخصت کر دیا گیا۔ اس کے پندرہ بیس برس بعد بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ

شیطان کو دیکھوں۔ تم میرے پاس شیطان کو لاؤ۔ دیکھوں وہ کیسا ہوتا ہے۔"
وزیر پھر چاروں طرف شیطان کی تلاش میں گھومتا پھرتا ان ہی بزرگ کے پاس پہنچا اور سارا حال بیان کیا۔
ان بزرگ نے بتایا کہ ایک شخص یہاں ایسا تھا جو بالکل شیطان ہے۔ آج کل وہ جیل میں ہے۔ اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان ہے۔ تم مجھ کو جیل میں لے چلو، میں تم کو بتا دوں گا کہ یہ شیطان ہے۔
وزیر ان بزرگ کو لے کر جیل کے دروازے پر پہنچا، جیل کے داروغہ سے کہا کہ سارے قیدی ان بزرگ کو دکھاؤ۔ سارے قیدی حاضر کیے گئے۔ بزرگ نے ایک قیدی کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ہے کہ وہ شیطان جس کی تم کو تلاش ہے۔ اسے لے جاؤ، بادشاہ کے سامنے پیش کرو۔ کوتوال کو بھی دربار میں بلاؤ۔ کوتوال اس کے بارے میں جو رپورٹ پیش کرے گا اس سے تم کو یقین ہو جائے گا کہ یہ شیطان ہی ہے۔
وزیر نے اس قیدی کو دیکھا۔ اس کے بڑے بڑے بال تھے، اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب سے بڑا مجرم ہے۔
وزیر اس قیدی کو لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ جیسے ہی قیدی بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا لوگ ہکّا بکّا ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر سب نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

کوتوال شہر نے بتایا کہ کوئی ایسی بُرائی نہیں جو اس میں نہ ہو۔ یہ شراب پیتا ہے، یہ چور ہے، ڈاکو ہے، جُواری ہے، عورتوں کو ان کے گھروں سے اُٹھائے جانے والا ہے۔ لوگوں کو آپس میں لڑانے والا ہے۔ جہاں رہا وہاں کے لوگوں کو چین سے رہنے نہیں دیا۔ لوگوں کو برائیوں کی طرف اُبھارنے والا ہے۔ بے حیائی کی باتیں پھیلانے والا ہے۔ اب تک پندرہ بار جیل کی ہوا کھا چکا ہے اس کے دل میں انسانوں کا درد نہیں۔ بلکہ یہ انسانوں کا دشمن ہے۔ اس طرح کوتوال نے ایسی ایسی بُرائیاں بتائیں کہ لوگ حیران رہ گئے۔ صورت سے سب کو نفرت تھی ہی، اب اس کی بُرائیاں سُن کر سب لاحول پڑھنے لگے اور سب نے کہا کہ بے شک یہ شیطان ہے۔ بادشاہ نے بھی کہا کہ ہاں یہ شیطان ہے۔

اب بادشاہ نے کوتوال سے کہا کہ اس شیطان کے گھرانے کا حال تو بتاؤ۔ کوتوال نے بتایا کہ یہ جب بچّہ تھا تو بڑا نیک تھا بڑا خوب صورت اور بھولا بھالا تھا۔ اپنی بستی میں فرشتہ مشہور تھا۔ بڑا ہوا تو بُرے لوگوں کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے لگا۔ اُن ہی بُرے لوگوں کی عادتیں سیکھنے لگا۔ اس نے نماز پڑھنا چھوڑ دی۔ اس کے بعد چوری کرنے اور ڈاکے ڈالنے لگا۔ شراب پینے لگا۔ کہاں تک بیان کروں آج یہ پکّا شیطان بن گیا۔

بادشاہ نے قیدی سے پوچھا، کیا تم وہی لڑکے تو نہیں ہو جو آج

سے پندرہ برس پہلے میرے دربار میں آئے تھے ۔ قیدی نے اقرار کیا کہ ہاں میں وہی ہوں ۔

یہ کہہ کر بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ اسے نہلایا جائے۔ اس کی حجامت بنائی جائے ۔ اسے اچھے کپڑے پہنائے جائیں اور اسے مولانا مصلح الدین کے پاس بھیج دیا جائے ۔ جہاں یہ پھر سے اچھی باتیں سیکھے۔

قیدی مولانا مصلح الدّین صاحب کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ قیدی ویسا ہی پھر نیک بن گیا۔ جیسا بچپن میں تھا۔ اور لوگ یہ سمجھ گئے کہ انسان جیسی صحبت میں رہتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب کو بُری صُحبت سے بچائے ۔

آمین

میٹھی روٹیاں اور میٹھے چاول

(۱)

"پہلے تم سناؤ ، میٹھے چاول کیوں نہ پکا سکیں ؟"

"اوں ـــــ ہنھ ! پہلے تم بتاؤ ۔ میٹھی روٹیاں کیوں نہ پکا سکیں ؟"

"اچھا تو سنو ! ہوا یہ کہ میں نے آٹا لیا اور شکر لی۔ آٹے میں شکر ملا دی ۔ اس کے بعد پانی ڈال کر گوندھنے لگی تو آٹا گندھتا ہی نہ تھا۔ پانی لگاتی ، گیلا ہو جاتا تو میں اور آٹا ڈال دیتی۔ اور آٹا ڈالتی تو سب بکھر بکھر جاتا۔ میں یہی کرتی رہی تو بہت سا آٹا خرچ ہو گیا اور زیادہ شکر بھی لگ گئی ۔ امی جان نے یہ دیکھا تو بولیں ۔ ارے! یہ کیا کر رہی ہے۔ میں نے حال بتایا تو بولیں۔ میٹھی روٹیوں کے لئے آٹا یوں نہیں گوندھا جاتا۔ اس طرح تو کبھی نہ گندھے گا۔ قاعدہ یہ ہے

کہ پہلے شربت گھول لیا جاتا ہے۔ یہ شربت تھوڑا تھوڑا کر کے آٹے میں ڈالتے ہیں اور گوندھ لیتے ہیں۔ آٹے میں فَس آجاتا ہے۔ اس طرح نہیں بکھرتا جیسے تم سے بکھرتا ہے۔

"پھر اس کا کیا کروں؟" میں نے امّی سے پوچھا بولیں۔ اس میں پانی بھر دو، آٹے سے اوپر۔ تھوڑی دیر کے بعد چھان لینا۔ شربت نکل آئے گا۔ آٹا نیچے بیٹھ جائے گا۔ یہ آٹا اب پھولنے دینا۔ اس کے گلگلے پکالیں گے پھر سے گوندھ کر۔

ہی ہی ہی ہی۔

کیسی مزے کی رہی میری میٹھی روٹی۔ اب تم سُناؤ میٹھے چاولوں کا کیا بنا؟"

(۲)

"اری بھنّو! میٹھے چاولوں کے پکانے میں تمہاری روٹیوں سے زیادہ مزہ آیا۔ اس مزے میں پریشانی بھی ہوئی۔ دیر بھی لگی۔ لکڑیاں بھی ڈھیروں پھُنک گئیں۔

ہوا یہ کہ میں نے وہ ناسمجھی نہیں کی تھی۔ جو تم سے ہوئی۔ میں نے پہلے شربت گھول لیا۔ شربت چولھے پر چڑھا دیا۔ شربت کھول گیا تو اس میں دُھلے ہوئے چاول ڈال دیئے۔ مگر اسی شربت میں چاول ڈالنا میری سب سے بڑی بھول ہو گئی۔

میں چولھے میں لکڑیوں پر لکڑیاں پھونکتی رہی۔ جب چاولوں کو

دیکھا تو اینٹھے ہوئے۔ میں سمجھی کہ پانی کم ہے۔ اور پانی ڈال دیا۔ پھر لکڑیاں پھونکنے لگی۔ دو گھنٹے اسی طرح ہو گئے۔ میں پریشان ہو گئی۔ میری امی جان نے اتنی دیر لگتے دیکھا تو پوچھا۔ میں نے حال بتایا تو بولیں۔ عمر بھر یہ چاول نہیں گل سکتے۔ تو یہ شربت میں اینٹھ گئے۔

"اب کیا ہوا امّی؟ جیسے تم نے اپنی امی سے پوچھا ویسے ہی میں نے پوچھا تو انھوں نے کہا۔ ان چاولوں کو دھو ڈالو۔ دُھلا ہوا پانی الگ کر لو۔ چاول سکھا کر بھون لو۔ مزیدار کھیلیں ہو جائیں گی۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ سچ مچ بڑی مزے دار کھیلیں تھیں۔ سمجھیں تم! ہے نہ مزیدار!۔

"ہاں ہے مگر تم میرے لئے کھیلیں نہیں لائیں"

"تم نے بھی تو گلگلے نہیں کھلائے تھے" چلو برابر ہو گیا۔